

بن کر اس کو نظام اسلامی کا خالص حلقہ گوش بننے سے روکتی ہو تب تو فرض ہو جاتا ہے کہ اس کو دل سے نکال پھینکا جائے اور خدا پرستی کے لیے زمین کا کوئی اور گوشہ تلاش کیا جائے۔ کیونکہ حقیقت میں تو ایک سچے مسلم کا واقعی وطن ساری کائنات ہے۔ وہ کسی خاص خطہ ارض سے محبت کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ ایک شہنشاہ کی تکمیل کے لیے اس سطح خاک پر آیا ہے یعنی یہ کہ خدا کی زمین پر صرف خدا کے قانون کی اطاعت (عبادت الہی) کی جائے۔ لہذا وہ مجبور ہے کہ اپنی محبت اور عداوت کو اور اپنے سارے جذبات کو قانون خداوندی کا تابع بنا کر رکھے۔ اگر اس کی دوستی یا دشمنی اس قانون کی حدود سے متجاوز ہوگی تو وہ اسلام کے ساتھ جاہلیت کی آمیزش کرنے کا مرتکب ہوگا۔

ہندو مسلموں کا واحد ایک خیر خواہ وطن کتلم سے

یہ ایک قابل دید پمفلٹ ہے جس میں ہندوستان کے بین الاقوامی سوال پر مدبرانہ تبصرہ کر کے اس کا صحیح حل پیش کیا گیا ہے۔ اردو، انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کیا گیا ہے مفت منگائیے اور اپنے غیر مسلم دوستوں تک پہنچائیے۔
صرف محصور لٹاک کیلئے تین پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیے اور جو حضرات اردو انگریزی دونوں نسخے منگانا چاہیں وہ پانچ پیسے کے ٹکٹ بھیجیں۔

دفتر رسالہ پیام حق، تاجپورہ لاہور

دلائل السنن والآثار

(۴)

از جناب مولوی نجسم الدین صاحب اصلاحی

ان الفاظ اور ائے حدیث [محمدین نے راویوں اور روایتوں کی صحت و ثقاہت کو جانچنے کے لیے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کا حال اور پرکڑ چکا۔ اب یہ بھی ملاحظہ ہو کہ روایت بیان کرنے کے لیے محدثین کس قدر چننے تلے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور اور روایت کے لیے مختلف الفاظ کے استعمال میں کیسے باریک اور نادرک فروق کا لحاظ رکھتے ہیں۔ محدثین نے ان الفاظ کے آٹھ مراتب قرار دیے ہیں :

(۱) سمعت و حدثی (میں نے سنا۔ اس نے مجھ سے بیان کیا)

(۲) اخبرنی و قرأت علیہ (اس نے مجھے خبر دی۔ میں نے اس کے سامنے پڑھا)

(۳) قرأ علیہ و انا اسمع (اس نے پڑھا اور میں سن رہا تھا)

(۴) انبأ فی (اس نے مجھے اطلاع دی)

(۵) سألنی (اس نے مجھے دیا)

(۶) شأفنی بالاجازہ (اس نے مجھے بالمشافہ اجازت دی)

(۷) اکتب الی بالاجازہ (اس نے مجھے اجازت لکھ بھیجی)

(۸) عمن (یعنی فلان شخص سے روایت ہے) اور دوسرے الفاظ جن میں یہ

امرتبہ رہتا ہے کہ ایسا راوی نے اوپر کے راوی سے خود سنا ہے یا نہیں۔

یہ مختلف الفاظ جو آراء روایت کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان میں ہر ایک کا مفہوم و وزن یکساں، اور اسی کے لحاظ سے روایت کا وزن مشخص کیا جاتا ہے۔ زیادہ اہتمام و ان الفاظ پر کیا جاتا ہے جو بصراحت ظاہر کرتے ہیں کہ راوی نے براہ راست اوپر کے راوی سے روایت سنی ہے۔ بخلاف اسکے وہ روایات کم درجہ کی ہوتی ہیں جن سے یہ بات ظاہر نہ ہوتی ہو۔

تمام الفاظ اور اسے لفظ سَمِعْتُ قائل کی سماعت ظاہر کرنے کے لیے نہایت مرتب ہے یہاں تک کہ حدیثی سے بھی، کیونکہ اس میں احتمال واسطہ کا نہیں نکل سکتا بخلاف حدیثی وغیرہ کے۔ علاوہ اسکے حدیثی کا اصطلاح کیسی ایسی اجازت پر بھی کیا جاتا ہے جس میں تبدیلیں ہوتی ہیں بخلاف سَمِعْتُ کے۔ پھر تمام الفاظ اور اس کی رتبہ ارفع ہے جو شیخ کے لفظ اور راوی کے سماع پر دلالت کرے اس لیے کہ اس میں تحفظ و ضبط زیادہ ہوتا ہے۔ اصطلاحاً اسے اِطْلَاقاً کہا جاتا ہے۔

اخبرنی بمنزلہ قرأت علیہ ہے۔ یہ اس راوی کے لیے ہے جس نے تنہا شیخ کے سامنے پڑھا ہو۔ اور اخبرنا و قرأنا علیہ بمنزلہ قرأ علیہ و انا اصح ہے۔ یہ ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے کہ شیخ کے سامنے ایک شخص پڑھا اور باقی نے سنا ہو۔ چونکہ اخبرنی میں اس کا احتمال ہے کہ راوی نے شیخ کے سامنے پڑھا نہیں ہے، اس لیے جس راوی نے شیخ کے سامنے قرأت کی ہو اسکو قرأت علیہ کے ساتھ اپنی قرأت کو تعبیر کرنا بہ نسبت اخبرنی کے افضل ہے، اس لیے کہ قرأت کی مرواحت جس قدر اس میں ہے اخبرنی میں نہیں پائی جاتی،

جہوں کے نزدیک شیخ سے حدیث حاصل کرنے کا یہ بھی ایک طریق ہے کہ شیخ کے سامنے قرأت کی جائے۔ جو بعض اہل عراق نے اس کا انکار کیا ہے مگر چونکہ یہ انکا مستبعد تھا اس لیے امام مالک وغیرہ اہل مدینہ نے اس پر سخت ناراضگی ظاہر کی، یہاں تک کہ بعض نے اس قدر مبالغہ کیا کہ سماع پر بھی قرأت کو ترجیح دے دی۔ امام بخاری وغیرہ ایک فریق کا یہ مسلک ہے کہ قرأت و سماع دونوں محبت و قوت میں مساوی ہیں چنانچہ امام بخاری نے شرح مخبر وغیرہ۔

نے اوائل صحیح میں چند ائمہ حدیث سے اس قول کو نقل بھی کیا ہے، واللہ اعلم۔

انباء لغت و اصطلاح متقدمین میں بمنزکہ اخیر سمجھا جاتا ہے۔ البتہ متأخرین کے عرف میں عن کی

طرح اجازت کے لیے بھی آتا ہے۔

بیان رواقہ راویوں کے درمیان بسا اوقات اسکے ناموں یا اسکے باپ دادا کے ناموں اور کنیتوں میں التباس

ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے خطرہ ہوتا ہے کہ ہمیں ایک راوی کو التباس نام کی وجہ سے دوسرے راوی کی جگہ نہ

سے لیا جائے، یا ایک ہی راوی کو دو الگ الگ شخصیتیں نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے محدثین نے راویوں کے

اسما اور کنیتوں کی باقاعدہ تحقیق کر کے ان کو مستقل کتابوں میں منضبط کرویا ہے اور مختلف عنوانات کے

تحت ان کی فہرستیں مرتب کی ہیں۔

اگر متعدد راویوں کے نام اور کنیت و نسب ایک ہوں تو ان میں فرق کرنے کے لیے تفصیل کے ساتھ

بتایا جاتا ہے کہ اس نام اور کنیت و نسب کے کتنے آدمی ہیں، کس کس طبقہ کے ہیں اور ہر ایک نے کس کس سے

روایتیں لی ہیں۔ اس کو اصطلاح میں علم متفق و مغترق کہا جاتا ہے اور اس پر خطیب بغدادی نے ایک مستقل

کتاب لکھی ہے۔

اگر متعدد راویوں کے نام خط میں متفق اور تلفظ میں مختلف ہوں، مثلاً یحییٰ اور یحییٰ، تو ان کی تمیز

ایک دوسرے عنوان کے تحت کی جاتی ہے جس کو ”علم متلفظ و مختلف“ کہا جاتا ہے۔ اس فن پر متعدد

کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سب سے زیادہ جامع اور مفید تصنیف شیخ الاسلام کی ”تبیر المنبہ بتجریر المشتبه“ ہے۔

اگر راویوں کے نام خط اور تلفظ میں متفق ہوں اور اسکے آبار کے نام بلحاظ تلفظ مختلف اور بلحاظ

خط متفق ہوں، مثلاً محمد بن یحییٰ اور محمد بن یحییٰ، یا اس کے برعکس راویوں کے ناموں میں تشابہ ہو اور ان کے

آبار کے نام متفق ہوں، مثلاً شریح بن النعمان اور شریح بن النعمان، تو اسے تشابہ کہا جاتا ہے۔ خطیب

بغدادی نے اس پر بھی ایک کتاب لکھی ہے۔

اس باب میں محدثین نے جس طرح ناموں اور کنیتوں اور نسبتوں کے نہایت نازک اور باریک فرق کی چھان بین کی ہے اور جس طرح القباہ اور اشتباہ کے ہر چھوٹے سے چھوٹے امکان کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کی ہے اس کا اندازہ ان کتابوں کو دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے جو ان فنون پر لکھی گئی ہیں۔ ان کی محنتوں کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ روایات کی حفاظت میں ان لوگوں نے کیسی عرق ریزی کی ہے، اور کیسا پتھا عشق ان کو اپنے دین کے ساتھ تھا جس نے آثار و عہد رسالت کو تحریف سے بچانے کے لیے ان سے یہ مخفی کر ایں۔

برج و تعذیل | کسی راوی پر جمع کرنا ایک خطرناک امر ہے۔ اسی لیے صوفیہ کی ایک جماعت اور بعض سادہ لوح لوگوں نے اس کو معیوب ٹھہرایا ہے۔ مگر محدثین نے بلا خوف و لرزتہ لائم اس کام کو انجام دیا۔

قرآن مجید میں جہاں وَلَا تَلْمِزُوا الَّذِينَ آمَنُوا وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّغَابِ وَلَا يَحْتَبِ بَعْضُكُمُ بَعْضًا، اور حدیث میں اِيَاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ وَغَيْرِهِ لَفُصُوصٌ وَآثَارٌ مَوْجُودَةٌ، جب تک اسی طرح حُلِّ لِكُلِّ شَيْءٍ مِنْ دَرَجَتِكُمْ اور اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا وغیرہ آیات اور حدیث الدین النصیحة یَسِّرْ أَخِي الْعَشِيرَةَ بِاللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ وَغَيْرُهُ مَوْجُودَةٌ۔ اگر ضرورت کے وقت سہا عیب دیانت کے ساتھ نہ کہہ دیا جائے تو دنیا سے حمل و انصاف اٹھ جائے اور دنیا میں بجائے امن کے ظلم و جور کی گرم بازاری ہو جائے۔ پس جس طرح عیب معینی اور بدگوئی سے پرہیز کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے، اسی طرح دیانت کے ساتھ حقیقی ضرورت کے وقت عیوب کو صاف صاف بیان کرنا بھی فریضہ دینی ہے۔ بعض لوگوں نے ”اعراض

الناس حفرق من النار وقف علی الحدیث والحدیث والحدیث“ (یعنی لوگوں کی آبرو و جسم کا گڑباز ہے جس پر حکام اور محدثین کھڑے ہیں) کہہ کر محدثین پر طنز کیا ہے مگر اس طرح کے فقرے چست تو اسی وقت ہونگے جب کوئی شخص بلاوجہ و بلا ضرورت دینی بغیر شرعی اجازت کے جرح کرے۔ لیکن جب ضرورت شرعی داعی ہو تو فیصلہ عمل محمدیہ ہے نہ کہ مذہب۔ جاہلوں اور کم فہموں نے قدما و اہل حدیث کو عموماً اور یحییٰ بن معین کو خصوصاً

اس طرح مطعون کیا ہے کہ انہوں نے خلق اللہ کے متعلق بڑی زبان درازیاں کی ہیں، کسی کو دروغ گو اور کسی کو جعل سنا اور کسی کو افترا پرداز کہتے ہیں مگر انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ ائمہ حدیث کا رجال پر جرح کرنا محض شریعت غمرا اور ملت میرضا کی حفاظت کے لیے تھا، اور گویا یہ ارقبیل قتال کفار یا سیاست و تعزیر اہل انکار ہے جو بہترین عبادت ہے۔

ابن خلاد نے امام یحییٰ بن سعید قطان سے پوچھا کیا آپ کو ان لوگوں سے خوف نہیں ہے جنہی حدیثیں آپ نے ترک کر دیں کہ کہیں قیامت کے دن وہ آپ کے فریق نہ ہوں؟ ابن قطان نے فرمایا کہ ان کا دعویٰ ہونا رسول اللہ صلعم کی مخالفت سے اچھا ہے۔ اگر میں باوجود اس علم کے کہ یہ شخص بددیانت کا ذب سائل ہے اس سے روایت لوں تو خود آنحضرت صلعم کو اپنا فریق بناؤں گا۔

بہر حال یہ مسلم ہے کہ ضرورت اور اضطرار کے وقت جرح جائز ہے مگر جس قدر ضرورت ہو اس سے تل ہلایہ زیادتی بھی جائز نہیں۔ درحقیقت یہ ایک نہایت نازک کام ہے جس میں کمال درجہ دیانت، راستبازی و تقویٰ اور سخت احتیاط کی ضرورت ہے اور اس کا ثبوت محدثین نے پیش فرما کر قیامت تک کے لیے راستبازی کی مثال قائم کر دی بلکہ واقعات و حالات کی تحقیق اور روایت و شہادت کی جانچ پڑتال کے لیے صدہا اصول چھوڑ گئے۔

فتح المغیث وغیرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جرح رجال کی بنیاد اصحاب رسول اللہ صلعم ہی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی۔ خوارج و روافض وغیرہ پیدا ہو چکے تھے اس لیے احادیث کے روایت کرنے میں احتیاط شروع ہو گئی تھی۔ خود صحابہ سے بہت سی جرحیں ثابت ہیں۔ لیکن اس وقت تک صحیح نکتہ سلسلہ حدیث میں زیادہ واسطے نہ ہوتے تھے اس لیے جرح کا دائرہ محدود تھا۔ جب واسطے بڑھے اور ہوا پرست فرستے زیادہ پیدا ہونے لگے تو جرح و تعدیل کا یا قاعدہ کام شروع ہو گیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے فتح المغیث۔

ہے کہ مسلمانوں ہی کی ایک جماعت جو بظاہر نہایت پارسا اور صوفیوں کے رنگ میں تھی نیک نیتی سے فضائل اور ترغیبت ترمہیب کی حدیثیں وضع کرتی تھی اور طرفہ یہ کہ اس چیز کو وہ ثواب بھی سمجھتی تھی۔ عبد الکریم وضع نے باوجود مسلمان ہونیکے تو تسلیم کیا ہے کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک دوسرا گروہ تھا جو اپنے فرقہ کے عقائد و اعمال کی سند بھیا کرنے کے لیے، یا اپنی سیاسی یا معاشی اغراض کے لیے حدیثیں وضع کرتا تھا۔ روایت حدیث کے لیے یہ دوسرے بڑے خطرے تھے۔ مزید براں پچھے راویوں کی روایت میں بھی غرابی کے متعدد اسباب ہو سکتے تھے، مثلاً تساہل، غلط فہمیاں، بے احتیاطیاں، توہمات، قلت حافظہ وغیرہ۔ پس اگر حدیثیں راویوں کا وضع ہونا یا تساہل ہونا یا ضعیف الحافظ، بے احتیاط، غیر عادل، کاذب، واہم ہونا وغیرہ بیان نہ کرتے تو آج رسول اللہ صلعم کے صحیح اقوال اور آپ کی سچی حدیثیں کابینہ صحابہ و تابعین کے صحیح آثار کا پتہ چلنا امر محال تھا۔ حالین حدیث نے اس کی علت خود بیان فرمائی ہے۔

جرح رواة شریعت کی حفاظت کے لیے جائز رکھی گئی
 ہے کیونکہ اگر جرح و قدح رواة جائز نہ ہوتی تو جوہرنا پچھے
 سے، فاسق عادل سے بیدار مغز فاضل سے، تو فی غلط
 ضعیف الحافظ سے مستند و متاہل سے الگ نہیں
 ہو سکتے تھے اور احادیث صحیحہ غیر صحیحہ سے مل کر گمراہ
 ہو جاتیں اور محدود و ذلیل لوگ ہر طرف سے اللہ کھڑے
 ہو جاتے، اور دین میں ایک طوفان بے تمیزی برپا
 ہو جاتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب کہ نبی نے دین
 نافرمان کوئی خبر سنی تو تحقیق کر لیا کرو، (سورۃ حجرات)

جو نذالک صیانتہ للشریعة
 فانه لو لم یحجز لما یتمیز الصادق من
 الکاذب والفاسق من العادل و
 المخفل من الضابط و اختلطت الاحادیث
 الصحیحہ بالسیقمہ و قامت الملاحدۃ
 والنفاذ قہ من کل جانب للافساد
 فی الشریعة وقد قال اللہ تعالیٰ
 یٰ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاٰسِیْۃٌ مِّنْ
 فِرْعَوْنَ وَ هٰٓؤُلَآءِ

اسی خیال سے اکابر تابعین جن بصری، طاؤس، ایوب سختیانی، عبداللہ بن عون، سلیمان تمیمی، امام مالک، یحییٰ بن سعید، شعبہ وغیرہ نے جو راکیں فن حدیث ہیں اور ان کے بعد کے محدثین نے جن کا تقویٰ و دیانت مسلم ہے، رجال کی دیکھ بھال بڑی سختی سے شروع کی اور اسکے لیے بہترین اصول و ضوابط مقرر کیے۔ مثلاً یہ کہ جس شخص سے روایت پہنچے اس کے متعلق تحقیق کر لیا جائے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط تھا یا نہ تھا؟ اس کا حافظہ کیسا تھا؟ اس کی کبھی کسی تھی؟ بات پوری یا درگھ کرجوں کی توں بیان کرتا تھا یا اپنے حافظہ کی کمی کو اپنی قوت تصنیف سے پورا کر دیتا تھا؟ روایات کو محفوظ رکھنے کے لیے کوئی اہتمام کرتا تھا یا نہیں؟ متقی اور پرہیزگار تھا یا بدخلین؟ اپنے عقائد میں ایسا متعصب تھی نہ تھا کہ ان کو درست ثابت کرنے کے لیے حدیث وضع کر دے؟ کس عمر میں اس نے روایات اخذ کرنی شروع کیں اور آیا وہ اس عمر میں تمس روایت کے قابل ہوا تھا یا نہیں؟ کس عمر تک اسکی حالت درست رہی اور کب اس کے حواس نے جواب دینا شروع کر دیا؟ یہ اور ایسے ہی بیسیوں امور ہیں جنکی پوری جہان بین کرنے کے بعد ایک ایک راوی کے حق میں رائے قائم کی گئی کہ وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں، اسے تو کس قدر ہے، اور نہیں ہے تو کس حد تک۔ بعد کے دور میں علماء حدیث کے ایک گروہ نے رجال ہی کی تحقیق کو اپنا مخصوص فن بنالیا، اور یہ ”اصحاب جرح و تعدیل“ مشہور ہیں سیہ اس پایہ کے محققین ہیں کہ عام طور پر محدثین ان پر اعتماد کرتے ہیں، مثلاً یحییٰ بن سعید القطان اور ابن مہدی جرح کے متعلق لکھا ہے کہ ”جس کو یہ مجروح ٹھہرا دیں اس کا زخم مندمل نہیں ہوتا اور جس کو یہ معتبر قرار دیں اس کا اعتبار قائم ہو جاتا ہے“

جرح اور تعدیل دونوں میں نہایت چھپے شلے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اور جو شخص جس درجہ کا معتبر یا غیر معتبر ہوتا ہے اس کی حالت کو اسی درجہ کے الفاظ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ جرح کے تین مراتب رکھے گئے ہیں۔ پہلا مرتبہ شدید قسم کے ناقابل اعتبار لوگوں کے لیے ہے، مثلاً کذب الناس دو ما نہ بھر

لہ فیخ المینث -

کا جھوٹا، الیہ المنتہی فی الکذب (جھوٹ میں آخری درجہ پر ہے) ہو رکن الکذب (جھوٹ کا ستون ہے) اور ہو منبع الکذب (جھوٹ کا سرچشمہ ہے) اسی کے قریب قریب و مجال، و صناع (حدیثیں گھڑنے والا) اور کذاب کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد اوسط درجہ میں متروک، سافظ، فاحش الفاظ، منکر الحدیث وغیرہ الفاظ کا درجہ ہے۔ اور کمتر درجہ کی جرح یہ ہے کہ ”اس کا حافظہ کمزور ہے“ یا ”اسکے حق میں کچھ کلام کی گنجائش ہے“ یا ”وہ قوی نہیں ہے“

اسی طرح تعدیل کے بھی تین مراتب ہیں: اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط۔ جس لفظ تعدیل میں مبالغہ ہوتا ہے وہ اعلیٰ پر دلالت کرتا ہے چنانچہ اوثق الناس یا اثبت الناس یا الیہ المنتہی فی التثبت وغیرہ میں زیادہ مبالغہ ہے۔ اور ثقہ ثقہ یا تثبت تثبت وغیرہ (جس میں ایک صفت مکرر ہو) اور ثقہ حافظ یا عدل ضابط، وغیرہ (جس میں دو صفتیں ہوں) میں مبالغہ تو ہے مگر اول سے کم۔ اور شیخ ^{مستحق} یا یعتبر حدیث وغیرہ الفاظ اس سے ادنیٰ درجہ پر دلالت کرتے ہیں۔ علاوہ ان کے اور قول اوسط پر دلالت کرنے میں مثلاً شیخ و سبط یا صراح یا مقارب الحدیث وغیرہ

فن جرح و تعدیل آج کل نہایت آسان علم سمجھ لیا گیا ہے، چنانچہ جو روایت اپنے خلاف ہوئی اسکے رواۃ پر جرحیں میزان اور لسان المیزان اور تہذیب التہذیب وغیرہ سے نقل کر دی جاتی ہیں گویا بڑا تیر مار دیا۔ حالانکہ اگر جرح و تعدیل کی بہت سی اصطلاحیں ہیں جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں بدیں و ضعیف کو ثقہ، اور ثقہ کو ضعیف سمجھ لیتے ہیں۔ اگر کتب رجال سے جرحیں لکھ دینا کافی ہوتا تو پھر کیا تھا، بات صاف تھی، ہر ابو ہریرہ کی حسن پرستی حجت و سند ہوتی اور جو کچھ نظروں کے سامنے آتا وہی حق ماننا پڑتا۔ مگر یہاں تو جو جو نقل کر دینا بھی (بغیر مطالعہ کتب فن) اور باب علم کے نزدیک معتبر نہیں، لہذا پہلے محدثین کی جوبی کو سمجھنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ ایک بات ہو تو اسکا جواب دیا جائے مگر یہاں تو معاملہ برعکس ہے قبول

ابن العسبرنی۔

قلوكان رجھا و لحدلا لتقيتہٗ و لكنہ صح و ثانی و ثالث

ائمہ اربعہ کے اصول روایت یہ وہ مقتدر اور برگزیدہ اشخاص و رجال ہیں جنکے ناموں پر تاریخ کو بجانا تاڑھے فقہ اسلامی میں فقہائے صحابہ اور فقہائے تابعین کی عظیم الشان یادگاریں موجود ہیں لیکن یاہیں ہمہ ان میں سے کوئی شخص جہوں کا پیشوا نہیں قرار دیا جاتا اور نہ اسکی سیادت مسلم ہوتی ہے۔ یہ طغرائے امتیاز منجانب اللہ حضرت ائمہ اربعہ کے حصہ میں آتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انھیں حضرات کی کوششوں سے سن و آثار نبوی کی جمع و ترتیب، رجال کی دیکھ بھال، فقیہہ وغیرہ فقیہہ کے فرق وغیرہ امور نے اصول و مبادی کی شکل اختیار کی۔

جہوں ائمہ و فقہ اور جملہ اہل علم اور اصولی حضرات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عادل و ضابطہ، قائل و بانع جسکی عدالت کی تصریح و معتبر شخصوں کی ہو یا جسکی شہرت اہل نقل اور علماء میں معروف ہو، لوگ جس کے مداح و ثنا خواں ہوں، ایسے شخص سے روایت کرنا جائز ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ نے ایک اور دنیاوی چیز دنیا کے سامنے پیش کی جس کی معقولیت بہ فروع مسلم ہے یعنی سند ساتھ ساتھ راوی کا فقیہ ہونا فقیہ سے مراد یہ ہے کہ راوی دین کا فہم رکھتا ہو اور جس سے توقع ہو سکتی ہو کہ واقعہ کے بیان میں وہ تمام احتیاطیں ملحوظ رکھے گا جو ایک واقعہ کو انکی اصلی روشنی میں دیکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ خطیب بغدادی امام صاحب کے اس قاعدہ کو یوں نقل کرتے ہیں: "لا یصح لرجل الا بما یعرف و یحفظ" "آدمی کو صرف وہی روایت بیان کرنی چاہیے جس کو وہ سمجھتا ہو اور پوری تفصیلات کے ساتھ محفوظ رکھتا ہو" نیز توضیح کے لیے مولانا عبدعلی بحر العلوم کی ایک تحقیق درج ہے:-

اجتمع الایھام ابو حنیفہ مع الوداعی حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ امام
عکثت فی دار الخناطین کہا حکم ابن عیینہ ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کہ میں دار الخناطین میں بیٹے

فَقَالَ لَوْ رَأَى مَا بَانَ لَكَ لَتَوَفَعُونَ عِنْدَ
الرُّكُوعِ وَالرُّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ لَاجِلِ اِنَّهُ لَمْ
يُصِحَّ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ شَيْءٌ فَقَالَ
لَوْ رَأَى كَيْفَ لَمْ يُصِحَّ وَقَدْ حَدَّثَنِي اِبْرَاهِيْمُ
عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِيهِ اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَعِنْدَ
الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرُّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ ابُو حَنِيفَةَ
حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالاَسْوَدِ
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ
ثُمَّ لَا يَجْعَلُ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ اِلَّا

امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے کہا تم لوگ
رکوع میں جانے اور رکوع سے کھڑے ہونے کے
وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام ابوحنیفہ
نے کہا اس لیے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی
ع علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ انہوں نے
کہا کیوں نہیں حالانکہ مجھے زہری نے زہری
سے سالم نے اور سالم نے اپنے باپ حضرت
عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی
ع علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے، جب رکوع میں جاتے
اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو رفع یدین کرتے
تھے۔ امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ ہم سے حماد نے

حماد سے ابراہیم نے ابراہیم سے علقمہ اور اسود نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ
صلی ع علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد رکوع وغیرہ کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔
امام اوزاعی نے کہا کہ میں زہری، سالم، اور حضرت عبداللہ بن عمر کی سند سے روایت کرتا ہوں اور آپ حماد
اور ابراہیم کا نام لیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ حماد زہری سے زیادہ اور ابراہیم، سالم سے زیادہ
فقید ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو اگرچہ صحبت یا فضل صحبت حاصل تھا تاہم علقمہ ان سے کم نہیں۔ اسود کو بھی
بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہی ہیں۔

اسکے بعد مولانا بجا معلوم فرماتے ہیں کہ یہاں امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے اصول کا فرق ظاہر ہو گیا۔

ایک صاحب راویوں کے تعلق کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور دوسرے صاحب کی نظر طوع اسناد پر ہے۔ امام
اعمش بڑے رتبہ کے محدث ہیں۔ فقہاء محدثین کی روش، جمع و ترجیح اور اصول روایت کی خوبی کا اقرار ان کو
قاضی ابو یوسف سے اس طرح کرنا پڑا کہ آپ لوگ طیب روایت ہیں اور ہم سب عطار یعنی دو فروش ہیں۔
انتہ الاطباء و سخن الصیاد للہ۔

حضرت امام مالکؒ کا بھی ایک اصول ہے۔ وہ حدیث کے متفق علیہ امام ہیں، اور ان کی روایت
قابل اعتماد ہے۔ آپ کے اکابر محدثین نے حدیث کی تعلیم پائی اور بہت سے فقہانے آپ کی تقلید کی اس لیے کہ
امام دارالمجتبہ کے اندر دو وصف جمع ہو گئے تھے، ایک تو وہ محدث تھے، دوسرے مفتی اور مستنبط بھی تھے۔
امام مالکؒ اپنے فتاویٰ میں اولاً کتب اللہ پر پھر رسول اللہ کی من حدیثوں پر جو ان کے نزدیک صحیح تھیں اعتماد
کرتے تھے اور اس معاملہ میں ان کا دار و مدار علمائے حجاز میں سے کبار محدثین پر تھا۔ جس چیز پر اہل مدینہ
عالم تھے بالخصوص ائمہ کے عمل کو جن میں مقدم ترین شخص عمران تھے وہ نہایت اہمیت دیتے تھے۔ یکدم
کو بھی اس رد کر دیتے تھے کہ اہل مدینہ نے اس پر عمل نہیں کیا ہے۔ تفصیل کیلئے ابن فرحون وغیرہ کا مطالعہ کیا
جائے۔ سناوی نے امام مالک کے طریق روایت پر جگہ جگہ روشنی ڈالی ہے۔ ایک واقعہ پیش نظر ہے اس سے
اہل علم خود فیصلہ کریں۔ اشعب بن عبد العزیز سے روایت ہے، قال سالت مالکاً ابو یوسف الخذ العلم عن
(لا یحفظ) زاد الخلیب وثقل تصحیح) قال لا الخ میں نے امام مالک سے پوچھا کہ آیا حدیث
کا علم ایسے شخص سے لیا جائے جو اس کو محفوظ رکھتا ہو؟ (بقول خطیب) وہ بہتر بھی ہو) امام حسان نے جواب دیا نہیں۔
امام شافعی اور احمد بن حنبلؒ جو سرخیل جمہور محدثین ہیں حدیث کے صحیح السنہ ہونے کی حالت میں خبر واحد پر
بالشرط عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا یہ اصول ہے کہ راوی کو عرف ایک ہی ہو لیکن حدیث اسی وقت قابل اعتماد ہو سکتی
ہے جب ایک عادل شخص اپنے ہی جیسے عادل شخص سے روایت کو رسول اللہ صلعم تک پہنچا دے۔ اگر علاوہ اوٹر لڑکا یہ
بالکل لحاظ نہیں کرتے۔